بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِشارات

ماہ جمادی الاخریٰ کا پرچہ شائع ہوجانے کے بعد مولنٰا عبدالماجد صاحب دریابادی کے اخبار "صدق" میں جناب مولنٰا شبیر احمد صاحب عثمانی کا ایک مکتوب گرامی نظر سے گذرا جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"محب مکرم جناب سید سلیمان ندوی نے ایک مطبوعہ تحریر میرے پاس بھیجی ہے جس میں علامہ شبلی کی ایک آخری تحریر کا حوالہ ہے۔ اس کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہیں رہی۔ کیونکہ ان کی بعض تصانیف کو دیکھ کر میں خود اضطراب میں تھا۔ اور بعض عبارات کی تسکین بخش توجیہہ بن نہ پڑتی تھی۔ اب جبکہ وہ اپنی تحریر میں صاف لکھ رہے ہیں کہ میرے یہ عقائد ہرگز نہیں بلکہ عقیدۃً وفقہاً میں اہل السنت والجماعت سے ہوں اور جو کچھ الکلام میں لکھا ہے، محض دوسروں کے خیالات بحثاً نقل کیے گئے ہیں' تو ہم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم خواہی نخواہی اس کی تکذیب کریں۔ اس کے اعلان کے بعد کم از کم مجھ کو ان کے متعلق فتوی تکفیر سے بالکل علیحدہ سمجھا جائے'۔ افسوس ہے کہ یہ آخری تحریر بہت دیر کے بعد دیکھنے میں آئی میرے نزدیک ضروری ہے کہ اس تحریر کی اشاعت اسی قدر اہتمام اور کثرت سے کی جائے جیسے الکلام وغیرہ کی ہوچکی ہے کیونکہ ان کتابوں کو پڑھ کر یقیناً آدمی مغلطہ میں پڑجاتا ہے جس کے ضرر سے بچانا نہایت ضروری ہے۔ یہ آخری تحریر تو شائد بہت ہی کم لوگوں نے دیکھی ہوگی مجھے اپنے تجربے معلوم ہے کہ لوگ ان کے عقائد وہی قرار دیتے ہیں جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور وہ

ایسا قرار دیتے ہیں ایک حد تک معذور بھی ہیں کیونکہ متعدد عبارات کا نسق اس پر دال ہے بہرحال جب ایک شخص اپنی عمر کے اخیر لمحات میں ان خیالات سے تبری کرتا ہے تو ہم کو اس کا اعتبار کرنا چاہیے تکذیب و انکار کی کوئی وجہ نہیں"۔

مولانا کی یہ تحریر دیکھ کر ہم کو بھی مسرت ہوئی۔ ایک متقی اور نیک نیت عالم دین سے جس طرز عمل کی توقع کی جاتی ہے، الحمد للہ کہ مولانا نے بالآخر وہی طرز عمل اختیار کیا، اور اس پر وہ تبریک و تحسین کے مستحق ہیں ہم کو ان کی نیت میں کبھی شبہہ نہ تھا۔ شکایت جو کچھ تھی وہ عدم احتیاط کی تھی ان کے مرتبہ فضل و کمال اُن کے احساس ذمہ داری، اور ان کی محتاط روش کو دیکھتے ہوئے، ہم کو یہ توقع نہ تھی کہ تکفیر مسلم جیسے امر خطیر میں ان جیسے بزرگ سے بھی وہی بے احتیاطی ظہور میں آئے گی جس کو بعض بدنام کنندگان علم و اہل علم نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔ یہی چیز موجب شکایت تھی۔ اور شکایت کا مقصود بھی نصیحت اور تذکیر تھا نہ کہ تشنیع و تحقیر۔ الحمد للہ کہ وہ مقصود حاصل ہوگیا، اور اب ہم کھلے دل کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اگر اس بحث کے دوران میں کسی جگہ ہم نے حق و انصاف کی صراط مستقیم سے تجاوز کیا ہو اور مولانا کو اس سے رنج پہونچا ہو تو وہ ہم کو معاف فرمائیں۔ غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک مسلک حق پر چلنا اور راہ اعتدال سے یک سر مو تجاوز کرنا کمزور انسان کے بس کی بات نہیں لیکن بہت کمزور ہے وہ انسان جو حق سے پھر جانے کے بعد حق کی طرف پلٹ آنے کی قوت نہیں رکھتا۔ اور بہت طاقت ور ہے وہ انسان جو اپنی کمزوری کا احساس رکھتا ہے، اور اپنے آپ کو خطا سے مبرا نہیں سمجھتا، اور خطا پر متنبہ ہونے اور اس سے رجوع کرنے کی قوت رکھتا ہے۔

اس سے پہلے "معارف" اور "صدق" اور بعض دوسرے معاصرین میں یہ اطلاع نظر سے گذری تھی کہ جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے بھی مولانا حمید الدین فراہی اور علامہ شبلی رحمہما اللہ کی تکفیر سے رجوع فرما لیا ہے۔ اسی زمانہ میں مولانا ممدوح کے ایک عنایت نامہ سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے "الایضاح" کے عنوان

سے ایک تحریر لکھی ہے جس میں دونوں اصحاب اور مدرسۂ اصلاح کے متعلق ان کے خیالات کی توضیح ہے۔ اب تک ہم نے ان صفحات میں مولانا کے رجوع کا تذکرہ اسی لیے نہیں کیا تھا کہ ہمیں "الایضاح" کا انتظار تھا۔ اب ایک دوست کی عنایت سے اس کی نقل ہمارے پاس آگئی ہے۔ ہم نے اس کو بغور دیکھا اگرچہ اس میں متعدد باتیں محل کلام ہیں، لیکن ہم اس بحث کو طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ بہرحال یہی بہت غنیمت ہے کہ مولانا نے دونوں مرحومین کی تکفیر سے رجوع فرما لیا۔ رہا مدرسۂ اصلاح تو اس کے متعلق مولانا کی رائے دیکھ کر ہم کو کچھ تنگ دلی کی بو آئی۔ اللہ ان کو اتنی وسعت قلب عطا فرمائے کہ وہ اپنے مشرب سے جزوی اختلاف رکھنے والوں کے لیے بھی دائرۂ اسلام کے اندر جینے کا حق تسلیم فرمالیں۔

خدا خدا کر کے ایک فتنۂ تکفیر ختم ہوا تھا کہ اب دوسرا فتنۂ تکفیر اٹھتا نظر آتا ہے۔ کچھ مدت ہوئی کہ ہمارے پاس ورنگل (دکن) سے ایک استفتاء آیا تھا جس میں ایک شخص "زید" کے متعلق لکھا تھا کہ اس نے اپنی تصنیفات میں ایسا اور ایسا لکھا ہے، اس کے ان اقوال کے متعلق کیا ارشاد ہے اور خود اس شخص کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ ہم کو یاد پڑتا ہے کہ جواب میں ہم نے فتویٰ لکھنے سے تو اس بنا پر معافی چاہی تھی کہ ہم کو منصب افتاء حاصل نہیں ہے، اور نہ اس کی اہلیت ہے، اس کے ساتھ نفس مسئلہ کے متعلق یہ لکھا تھا کہ براہ کرم ایک اور فتنۂ تکفیر کھڑا نہ کریں۔ اگر استفتاء کے جواب میں کوئی تکفیر کا فتویٰ مل جائے تو اسے شائع کرنے سے احتراز مناسب ہے لیکن چند روز بعد مستفتی صاحبان کی جانب سے ایک اور خط آیا جس میں ہمارے ایک نہایت محترم بزرگ کے فتوی کی نقل تھی۔ توقع کے خلاف ہم نے دیکھا کہ فاضل موصوف نے بھی ایک وسیع النظر عالم دین ہونے کے باوجود وہی خلاف احتیاط طریقہ اختیار کیا جس کی خود ان کو اس سے پہلے دوسرے علماء سے شکایت تھی جب ان جیسے شخص سے یہ طرز عمل ظہور میں آیا تو نہ معلوم دوسرے حضرات کس کس قسم کے فتوے تحریر فرمائیں گے اور ان کی اشاعت سے کیسے بُرے نتائج ظاہر ہونگے

یہی اندیشہ ہے جس کی بنا پر آج پھر ہم تکفیر کے مسئلہ میں چند اصولی باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ہم تمام علمائے کرام کی خدمت میں یہ عرض کریں گے کہ عقائد کے باب میں استفتاء فرضی ناموں کے ساتھ کئے جائیں اور جن میں مصنف کی اصل عبارتیں بے کم و کاست نہ پیش کی گئی ہوں ان پر فتویٰ دینا سخت نامناسب ہے۔ فرضی نام دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو اس کے پردہ میں کوئی شخص معین ہوگا، یا کوئی شخص نہ ہوگا اور صورت مسئلہ محض مستفتی کی طبع زاد ہوگی۔ اگر دوسری صورت ہے تو یہ استفتاء اسی قسم کے سوالات میں شمار ہوگا جن کو حدیث نبوی میں مکروہ ٹھیرایا گیا ہے، اور جن کی طرف توجہ کرنے سے صحابہ اور سلف صالحین نے ہمیشہ احتراز فرمایا ہے۔ اور اگر پہلی صورت ہے تو ایک مجہول الحال شخص کے حق میں محض سائل کے اعتماد پر فتویٰ دینا یقیناً ظلم ہے۔ مفتی کا فرض ہے کہ ایسے استفتا کا جواب دینے سے پہلے اس شخص کا نام معلوم کرے، اس کی اصل تحریروں کو پڑھے، اس کی عملی زندگی پر نظر ڈالے، اور خود اس سے یا اس کے ہم مشرب لوگوں سے دریافت کرے کہ ان کے پاس ان اقوال کی کیا تاویل ہے۔ اگر وہ اتنی فرصت رکھتا ہے اور اتنی محنت گوارا کرسکتا ہے تو فتویٰ لکھے ورنہ فتویٰ نوشتن چہ ضرور۔

تکفیر کی مثال ایسی ہے جیسے آپ اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر پھینک دیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص یہ کام اس وقت تک نہ کریگا جب تک کہ علاج سے قطعی مایوسی نہ ہوجائے، تمام دوائیں استعمال کی جاچکی ہوں اور ناکام ثابت ہوئی ہوں، عضو اتنا سڑ گیا ہو کہ نہ صرف اس کے درست ہونے کی کوئی امید نہ رہی ہو بلکہ اندیشہ یہ ہو کہ اس کا زہر جسم کے صحیح و سالم اعضاء کو بھی خراب کردے گا۔ ایسی حالت میں انسان مجبوری اس پر راضی ہوتا ہے کہ وہ عضو کاٹ ڈالا جائے اور پھر بھی اس پر خوش نہیں ہوتا بلکہ تمام عمر افسوس کرتا رہتا ہے۔ ایسی ہی مثال جماعت کے کسی بگڑے ہوئے شخص یا گروہ کی ہے۔ وہ جسم اسلام کا ایک عضو ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ ماؤف ہوگیا ہے تو اس کے مرض کی تشخیص کیجیے، اس کے اسباب معلوم کیجیے، جہاں تک ممکن ہو

حکمت اور دانائی کے ساتھ ان اسباب کو دور کیجیے۔ غصہ اور نفرت کے بجائے ہمدردی اور شفقت کے ساتھ اس کا علاج کیجیے۔ اگر خدانخواستہ یہ سب تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس کے زہر سے جماعت کے دوسرے حصوں کو بچانے کی تمام وہ تدبیریں اختیار کیجیے جو اس عضو ماؤف کو کاٹ پھینکنے کے سوا ممکن ہوں۔ جب اس میں بھی ناکامی ہو۔ تب محض ایک آخری چارۂ کار کے طور پر آپ تکفیر کا آپریشن کر سکتے ہیں۔ مگر یہ کیسا ظلم ہے کہ آپ خود اپنے جسم کا تو ایک رتی برابر حصہ بھی انتہائی مجبوری کے بغیر کاٹنے پر راضی نہ ہوں، اور جسم اسلامی کے ساتھ آپ کی بے دردی کا یہ حال ہو کہ اس کے کسی بڑے سے بڑے حصے کو بھی کاٹ پھینکنے میں تامل نہ ہو۔ وہاں یہ احتیاط کہ مہینوں ڈاکٹروں اور طبیبوں کے پاس چکر کاٹ رہے ہیں، دواؤں پر دوائیں استعمال کر رہے ہیں، آخر وقت تک یہ کوشش ہے کہ آپریشن کی نوبت نہ آنے پائے۔ اور یہاں یہ بے احتیاطی کہ جہاں کسی عضو کے ماؤف ہونے کی اطلاع ملی اور بے تکلف اس کو جسم اسلام سے کاٹ کر پھینک دیا۔ تشخیص مرض اور علاج کی کوشش درکنار، پوری طرح یہ تحقیق نہیں کیا جاتا کہ اگر وہ ماؤف ہے تو درحقیقت کس حد تک ماؤف ہے، اور آیا ماؤف ہونے کے باوجود اس کے لیے جسم اسلام میں کوئی جگہ باقی رہ سکتی ہے یا نہیں۔

جو شخص علانیہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرے، یا مسلمان ہو اور پھر کھلے طور پر اسلام سے منکر ہو جائے اس کا معاملہ تو بالکل صاف ہے، کوئی پیچیدگی ہی نہیں جس کو حل کرنے کی ضرورت ہو۔ لیکن ایسے شخص کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، مسلمان رہنا چاہتا ہو، اسلام سے نکلنے پر راضی نہ ہو، اور پھر اس کے اقوال یا اعمال یا دونوں میں کوئی چیز ایسی نظر آتی ہو جو اصول اسلام کے خلاف ہو۔ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ مسئلہ اس شخص کا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی تائید و حمایت میں سرگرمی کا اظہار کرتا ہو، اور اس کے بعض اقوال و اعمال بالکل اصول اسلام کے مطابق ہوں، مگر بعض امور میں وہ اسلام کی صراط مستقیم سے ہٹا ہوا نظر آئے۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کو مجرد ظہور خلاف کے ساتھ ہی کافر ٹھیرا دینا سخت غلطی ہے۔ اس کی یہ روش بہرحال دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ پر مبنی ہوگی۔ یا تو وہ منافق ہوگا، یا نیک نیتی کے ساتھ کسی ایسی چیز کو اسلام سمجھ رہا ہوگا جو درحقیقت اسلام نہیں ہے۔

اگر پہلی صورت ہو تو قرآن مجید میں منافقین کی اقسام اور ہر قسم کے منافق کی علامات اور اس کے درجۂ نفاق کے لحاظ سے معاملہ کرنے کا طریقہ صراحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں آپ تحقیق کیجیے کہ آیا اس میں کسی درجۂ نفاق کی علامات پائی جاتی ہیں یا نہیں اور جب کوئی درجہ متحقق ہو جائے تو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیجیے جیسا اس درجہ کے منافق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا، اور اللہ کے رسول نے اختیار کیا ہے۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کا یہ فعل کہ وہ غیر اسلام نہیں بلکہ عین اسلام ہی سمجھ کر کوئی بات کہتا ہے خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی نیت کفر کی نہیں ہے بلکہ وہ مسلمان رہنا چاہتا ہے پھر اس کو نکال پھینکنے میں آپ کیوں اس قدر جلدی کرتے ہیں پہلے تحقیق کیجیے کہ اس کے اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ کیا ہے؟ یہ چیز اس میں کہاں سے آئی؟ اور کیوں اس نے ایسی چیز کو اختیار کیا؟ اس کے اقوال و اعمال پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالیے، خود اس سے تبادلۂ خیال کیجیے اس کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے بہت ممکن ہے کہ بعض ظاہری چیزوں کو دیکھ کر آپ خود ہی اس کے متعلق غلط فہمی میں پڑ گئے ہوں اور جو کچھ دور سے آپ کو غیر اسلام نظر آیا تھا وہ در اصل اسلام ہی ہو اگر تحقیق سے یہ بات کھل جائے تو فرح و سرور کے ساتھ اسے گلے لگائیے اور اللہ سے استغفار کیجیے کہ آپ نے ایک مسلمان سے بدگمانی کی۔ اور اگر ثابت ہو کہ در اصل سمجھ کے پھیر نے اسکو فی الواقع غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے تو اس کو سمجھائیے جس طرف سے اس کے دماغ میں غلط فہمی پہنچی ہے اسی طرف سے فہم صحیح اس کے اندر پہنچانے کی کوشش کیجیے جن شکوک و شبہات نے اسے مرکز اسلام سے دور ہٹا دیا ہے انکی اصل کو سمجھ کر حکمت و دانائی کے ساتھ انکو رفع کیجیے کامیابی ہو جائے تو وہ عذاب سے بچا اور آپ ثواب کے مستحق ہو گئے۔ کامیابی نہ ہو تو سارے معاملہ پر پھر ایک تحقیق کی نظر ڈالیے۔ اگر وہ اپنے اقوال و افعال کی کوئی ایسی بعید سے بعید تاویل بھی کرتا ہو جس کے لیے قرآن و سنت کے الفاظ و معانی میں گنجائش نکل سکتی ہو تو اس کی تکفیر نہ کیجیے اس کی سمیت اتنی بڑھی ہوئی نہیں ہے کہ کاٹ پھینکا جائے، اسلامی جماعت کو اس کے زہر سے بچانے کیلیے صرف اس قدر کافی ہے کہ نہایت واضح دلائل کے ساتھ اس کی گمراہی ثابت کر دی جائے اور مسلمانوں کو عام طور پر اس سے آگاہ کر دیا جائے البتہ اگر اس کے پاس کوئی ایسی تاویل بھی نہ ہو اور وہ اصول اسلام میں سے بعض کو یا کسی ایک کو اعتقاداً و عملاً بالکل ساقط کر دے تو مجبوراً اس کے کافر ہونے کا فیصلہ کیجیے اور ایسا فیصلہ کرتے وقت بھی خدا سے ڈرتے رہیے کہ کہیں آپ کسی ایسے شخص کو کافر نہ قرار دے بیٹھیں جو در اصل مسلم ہو۔

ان مراتب پر جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تکفیر کا مرتبہ کس قدر بعید ہے، اور اس تک پہنچنے سے پہلے غور و تحقیق اور سعی و محنت اور دلسوزی و جگر کاوی کے کتنے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ پھر جب ان سب مرحلوں میں ناکام ہونے کے بعد تکفیر کی نوبت آتی ہے، تب بھی وہ اس قابل نہیں ہوتی کہ کسی مسلمان کو اس پر انشراح اور انبساط ہو۔ ایک مومن متقی تو اس آخری مرتبہ میں بھی تکفیر کا فیصلہ کرتے وقت ڈرتا ہے، جھجکتا ہے، چاہتا ہے کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا بہانا ہی ایسا مل جائے جس سے خدا کے ایک بندے کو اسلام سے خارج کرنے کی نوبت نہ آئے۔ اور جب کوئی بہانا بھی نہیں ملتا تو بادل ناخواستہ اس کا فیصلہ کرتا ہے، اور اس کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یہ خواہش رہتی ہے کہ اس بچھڑے ہوئے شخص کو پھر دائرۂ اسلام میں لانے کا کوئی موقع مل جائے۔

مگر یہاں کیا حال ہے؟ اُدھر رپورٹ آئی کہ زید ایسا اور ایسا کہتا ہے، اور ادھر دین اسلام کے مجسٹریٹ نے بیک نظر اس کو دیکھتے ہی یک طرفہ تجویز لکھدی کہ وہ کافر ہوگیا۔ نہ ملزم کی طرف سے صفائی، نہ مقدمہ کی تحقیق و تفتیش، نہ اصلاح کی کوئی کوشش، نہ فردِ جرم اور تجویزِ سزا میں تناسب کا کوئی لحاظ۔ پھر اس پر فتویٰ لکھنے میں وہ زور اور جوش کہ گویا ایک بندۂ خدا کو کافر ٹھیرانے میں بڑا انبساط نصیب ہوا ہے۔ اس کے بعد جب غریب ملزم کی طرف سے صفائی پیش ہوتی ہے تو ہزار تامل کے ساتھ، ہزاروں قسم کے تحفظات اور شرطوں کے ساتھ بادل ناخواستہ اس کو کسی حد تک قبول کیا جاتا ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جی تو اب بھی چھوڑنے کو نہ چاہتا تھا، مگر چونکہ صفائی کی شہادت نے برأت کا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا، اس لیے چھوڑ تو دیا ہے، لیکن طبیعت کا انقباض ابھی باقی ہے۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسا تقویٰ ہے۔ اور کیسی محبت اسلام ہے!